MTA کی برکت سے آج اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہا ہے۔ رمضان کی برکات کا تذکرہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ فروری ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ
فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ
هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ
الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ
عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا
لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرہ: ۱۸۴ تا ۱۸۷)

فرمایا:۔

سورۃ البقرہ کی آیات ۱۸۴ تا ۱۸۷ میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان کا تعلق رمضان سے اور رمضان کی عبادات اور اُن کے فوائد سے ہے لیکن ان کا ترجمہ پیش کرنے سے پہلے میں چند عمومی باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

آج جمعے کی شکل میں وہ مبارک دن طلوع ہوا ہے جس میں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کو دین کی اشاعت کی راہ میں ایک اور سنگ میل رکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے اور ایک تیسرا اسیٹلائٹ سٹیشن ہمیں ملا ہے جس کے نتیجے میں اب وہ حصے دنیا کے جن میں پہلے خلا تھا وہاں بھی اب خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کی طرف سے اسلام کا پیغام صوتی اور نظری صورت میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ پہنچایا جا سکتا ہے، سے مراد یہ ہے کہ پہنچ رہا ہے یعنی جس کے سننے کے کان ہوں وہ سنے اور جس کی دیکھنے کی آنکھیں ہوں وہ دیکھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں بھی تمثیل بیان فرمائی گئی تھی وہ یہی تھی کہ جو مولوی سیڑھیاں لگائیں گے اُنہی کے پاس وہ آئے گا یعنی آسمان سے تو اترے گا لیکن کوئی سیڑھیاں ہی نہیں لگائے گا، اپنا دل ہی پیش نہیں کرے گا تو کیسے اُس کے دل میں جاگزیں ہوگا۔ تو یہ مضمون بڑا دلچسپ مضمون ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ توفیق کا تعلق ہے آج **احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا پیغام یا احمدیت تو ایک ذریعہ اور شاخ ہے یوں کہنا چاہئے کہ اُس اسلام کا پیغام ہے جو قرآن کا پیغام ہے، اُس اسلام کا پیغام ہے جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کا پیغام ہے۔ وہ آج دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہا ہے۔** توفیق کی الگ بات ہے کسی کو توفیق ہے تو وہ سنے اور دیکھے جسے توفیق نہیں ہے تو اس کی توفیق کو بدلنا بندے کا کام نہیں وہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔

مجھے یاد ہے جب میں وقف جدید اور خدام الاحمدیہ وغیرہ کے سلسلے میں پاکستان کے دیہات کے دورے کیا کرتا تھا اور بنگلہ دیش میں بھی جو اس وقت پاکستان کا حصہ تھا، جاتا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ دوروں کے نتیجے میں جماعتوں میں ایک نیا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور تمام مرکزی نمائندگان کو خدا تعالیٰ نے یہ استطاعت بخشی ہے کہ جب وہ سفر کرتے ہیں دورہ کرتے ہیں تو جماعت میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے لیکن میں نے بطور خاص اپنی ذات میں یہ محسوس کیا کہ چونکہ میرا خونی تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھا اس لئے جماعتیں نسبتاً زیادہ اثر قبول کرنے

کے لئے تیار بیٹھی ہوتی تھیں۔ تو اثر کا تعلق محض اس آواز سے نہیں ہے جو پہنچ رہی ہے۔ اُن دلوں سے بھی ہے جو قبولیت کا مادہ رکھتے ہیں یا قبولیت کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ پس دنیا میں پیغام پہنچانے میں دو پہلو ہیں۔ ایک وہ آواز جو پیغام پہنچاتی ہے اور ایک وہ دل جو اس آواز کی طرف مائل ہوتے ہیں یا اس کے خلاف منفی ردّ عمل دکھاتے ہیں۔ پس دوسرا پہلو جو ہے وہ دعاؤں سے حل ہوسکتا ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی آواز تو وہی ایک ہی مقدس آواز تھی جو حضرت ابوبکرؓ کے کان پر بھی پڑتی تھی، حضرت علیؓ کے کان پر بھی پڑتی تھی اور وہی آواز ابوجہل بھی سنتا تھا۔ عکرمہ اور شیبہ بھی مگر زمینیں مختلف تھیں۔ کچھ کانوں نے اُن آوازوں کو سنا اور دلوں نے قبول کیا اور دلوں میں جاگزین ہوگئیں، کچھ کانوں نے جھٹک دیا، کچھ آنکھوں نے دیکھنے سے انکار کر دیا ایسے وہ دل ہیں جن پر قفل پڑ جاتے ہیں ان قفلوں کا توڑنا بندے کے بس کی بات نہیں وہ تو اللہ کی توفیق ہی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تو پھر یہ قفل ٹوٹتے ہیں۔ تبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپؐ کو یہ خبر دے دی گئی

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرہ:۸)

اے محمدؐ ان لوگوں کے دلوں پر مہریں ہیں، آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے، کانوں سے سن نہیں سکتے۔ تو پیغام پہنچانا تو آپؐ نے بند نہیں کیا، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ رہے بلکہ اُتنی ہی زیادہ شدت کے ساتھ دعاؤں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے آنکھوں کو دوبارہ نور بخشا ہے، جنہوں نے کانوں کو شنوائی کی طاقت عطا کی ہے وہ نہیں اس دنیا سے گزرے جب تک خدا تعالیٰ نے جو جو بیماریاں اس قوم کی بتائی تھیں اُن بیماریوں کو شفا نہیں بخش دی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ دلوں کے تالے ٹوٹ گئے، جمود ختم ہو گئے، ابوجہل کی اولاد سے آپؐ کے دین پر، آپؐ کے نام پر جان نثار کرنے والے پیدا ہوئے۔

پس جب یہ مضمون بیان کیا جاتا ہے کہ بعض زمینیں سخت ہیں، بعض دل پتھر ہو گئے، بعض آنکھیں اندھی ہیں، بعض کان سننے کے قابل نہیں تو اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کے بس کی بات نہیں ہے، تمہارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں مگر خدا کے پاس ہے۔ اللہ کی طاقت کے متعلق حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے یہ ایک نقشہ یوں بیان فرمایا کہ جس طرح دو انگلیوں میں ایک چیز پکڑی ہوئی ہو۔ ذرا سا بدلنے سے اس

کا رخ بدل جاتا ہے، دوبارہ کریں تو پھر اسی طرف پلٹ جاتا ہے۔ اس طرح خدا کے ہاتھ کی دو انگلیوں میں یہ انسان کا دل ہے۔ جب چاہے ان کا رخ جس طرف چاہے پھیر دے۔ (مسلم کتاب القدر)

پس یہ مضمون بتاتا ہے کہ اگر چہ اب خدا کے فضل کے ساتھ اسلام اور قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہی ہے مگر خدا ان دلوں کو سننے والے، قبول کرنے والے دل بنادے۔ ان کانوں کو سننے والے اور دلوں تک پیغام بھیجنے والے کان بنادے ان آنکھوں کو دیکھنے والی آنکھیں اور پھر اپنے ذہنی اور قلبی تصورات میں ان نقوش کو جما دینے والی آنکھیں بنادے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے نقوش ہیں۔ ایسی صورت میں انشاء اللہ تعالیٰ پھر بڑی تیزی کے ساتھ دنیا میں اسلام پھیلے گا۔

پس اللہ تعالیٰ نے وہ تمنا کہ میں گاؤں گاؤں پہنچوں اس طرح پوری کردی اور وقف جدید سے جو میرا تعلق قائم ہوا اور پہلے نمبر پر مجھے رکھا گیا۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ خدا کی تقدیر تھی، میرے ذریعے ہی خدا نے یہ توفیق دینی تھی کہ میری تمنائیں پوری ہوں اور میں خود گاؤں گاؤں پہنچ جاؤں اور اس کا میں انتظار کر رہا تھا کہ ذرا اور زیادہ یہ باتیں پھیل جائیں تو پھر انشاء اللہ تربیتی مضامین کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ پہلے بھی ایک لمبا سلسلہ تربیتی مضامین کا گزر چکا ہے مگر اکثر احمدیوں تک یا اُن جماعت سے باہر دوستوں تک جو ہمارے خطبات سنتے ہیں وہ نہیں پہنچ سکا اور ہر کوشش کے باوجود جماعت کی بھاری اکثریت ان سے محروم رہی۔ اس لئے بعینہ وہی تو نہیں لیکن مضامین کم و بیش وہی رہیں گے اور انشاء اللہ اس سلسلے کو دوبارہ مختلف رنگ میں جاری کیا جائے گا۔

ایک اور بات جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اب جتنے زیادہ سیٹلائٹس ہم استعمال کر رہے ہیں اتنا ہی زیادہ خرچ بڑھ رہا ہے اور جماعتیں اللہ کے فضل کے ساتھ اس فیضِ عام میں شامل ہیں خواہ وہ ایک آنہ بھی ادا کریں یا نہ ادا کریں۔ یہ تو اللہ کی طرف سے رحمت کی بارش کا سا حال ہوا کرتا ہے۔ بعض زمینیں اس رحمت کی حقدار ہوتی ہیں، بعض نہیں ہوتیں سب پر پڑتی ہے۔ تو یہ جو فیض ہے۔ آسمان کے ذریعے خدا کی طرف سے دین کی آواز پہنچانے کا فیض، یہ تو عام ہے لیکن کچھ جماعتوں پر دوسروں کی نسبت زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ اس کا حق ادا کریں جو تربیت کے لحاظ سے اللہ کے فضل سے صف اوّل میں ہیں سر دست زیادہ بوجھ ان پر ہی پڑے گا۔ ان کو یہ بوجھ

خوشی سے اٹھانا چاہئے پھر جوں جوں تربیت ہوگی پھر اور مددگار ساتھ شامل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ یہ پروگرام ایسے ہیں جنہوں نے ابھی بہت پھیلنا ہے۔ ابھی تو ایک جمعے کے اوپر ہماری توجہ ہے۔ زبانیں بڑھائی جارہی ہیں پہلے صرف اردو اور انگریزی میں پیغام پہنچتا تھا اب عربی بھی شامل کردی گئی ہے۔ Spanish بھی عنقریب شامل ہو جائے گی۔ جرمن اور روسی زبان میں انشاء اللہ ساتھ ساتھ تراجم شروع ہو جائیں گے۔ تو یہ نظام جب پوری طرح مستحکم ہو جائے گا اور اس حصے پر کاٹھی پڑ جائے گی تو پھر انشاء اللہ اور سواریاں بھی بنیں گی اور اور بھی انتظام چلیں گے۔ بعض دوست بڑے گھبرا گھبرا کر لکھتے ہیں کہ شاید آپ کی توجہ ادھر نہیں گئی۔ یہ بھی ہونا چاہئے وہ بھی ہونا چاہئے، اس قسم کے پروگرام جاری ہونے چاہئیں ان کو میں مطمئن کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سارے پروگرام نہ صرف ذہن میں موجود ہیں بلکہ مختلف ذمہ دار آدمیوں کے سپرد ہیں ان کے اوپر وہ کام شروع کر چکے ہیں لیکن ایک گھنٹہ کا ایسا پروگرام جو تمام عالم میں ٹیلی ویژن کے ذریعہ دکھایا جاتا ہو اس کی تیاری میں ایک گھنٹہ صرف نہیں ہوا کرتا اس کی تیاری میں بعض دفعہ سینکڑوں گھنٹے صرف ہوتے ہیں تو ان باتوں کو دوست پیشِ نظر رکھیں، صبر سے کام لیں۔ خدا کی دی ہوئی توفیق سے اب یہ جو کام چلا ہے اس نے تو چلنا ہی چلنا ہے رکنے والا کام نہیں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ پھیلے گا۔

اسی تعلق میں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب بھی انسان نیکی کا کوئی قدم اٹھاتا ہے تو اس کے مقابل پر حسد پیدا ہوتا ہے اور حسد سے شر کا شرارہ نکلتا ہے جو اردگرد ماحول میں آگ لگانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ تقدیر ہے مومنوں کی جسے ہم تبدیل نہیں کر سکتے۔ بعض لوگ بعض دفعہ کہتے ہیں کہ کیوں اتنا زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی، کیوں تعلقات بڑھانے کی کوشش کی، کیا عقل نہیں تھی کہ اس کا نتیجہ نکلے گا اور حسد پیدا ہوگا اور شرارتیں پیدا ہوں گی۔ میں ایسے دوستوں کو، ایسے دانشور عموماً حالات گزرنے سے پہلے نہیں، حالات گزرنے کے بعد پیشگوئیاں کیا کرتے ہیں۔ ان کو بتاتا ہوں کہ نہ صرف یہ کہ مجھے علم ہے بلکہ جب سے خدا تعالیٰ نے دنیا میں خلافۃ اللہ کا نظام جاری فرمایا ہے ہر خدا کے خلیفہ کو علم ہے اور وہ جو خدا کے خلفاء کے خلفاء ہیں جیسا کہ میں ادنیٰ انسان ہوں خدا کے خلیفہ کے خلیفہ کا خلیفہ ہوں۔ اس کو بھی علم ہے اور یہ وہ علم ہے جو زمانے کی پیدائش سے پہلے ہی لکھا جا چکا تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ ذکر فرمایا کہ میں خلیفۃ اللہ بنانے لگا ہوں تو فرشتوں نے ادب سے

عرض کیا کہ اے خدا وہ خلیفہ جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ غلط کہہ رہے ہو۔ خون نہیں بہایا جائے گا اور فساد نہیں ہوگا لیکن ان کی اس بات کو رد کر دیا ان معنوں میں کہ اُس کی ذمہ داری خلیفۃ اللہ پر نہیں ہوگی ان لوگوں پر ہوگی جو اس کے مقابل پر آ کر فساد کریں گے اور خون بہائیں گے تو جب بھی نظام بدلے جاتے ہیں، جب بھی دلوں میں ایک وسیع تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جب بھی شیطان کی حکومت مٹا کر الٰہی حکومت کے قیام کا زمانہ آتا ہے تو لازماً دوسری طاقتیں ردعمل دکھاتی ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ کوشش کرنی ہی نہیں چاہئے تھی جس کے نتیجے میں یہ ہو، اگر یہ نتیجہ نکالنا درست ہے تو پھر کبھی خلافت کا آغاز ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ خدا تعالیٰ کا پہلا خلیفہ جو خلیفۃ اللہ کے سلسلے کی پہلی کڑی تھی یعنی حضرت آدم علیہ السلام بحیثیت نبی اللہ، وہ ہی پیدا نہ ہوتے اور پھر یہ خلافت حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ذات میں اپنی انتہا کو نہ پہنچتی، اپنے منتہا کو نہ پہنچتی اور وہ کامل وجود پیدا نہ ہوتا جس کے مقابل پر تمام دنیا ہیچ ہے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لولاک لما خلقت الافلاک** ۔ (روح المعانی صفحہ جلد اول صفحہ: ۷۰) اے محمدؐ! تیری قیمت میری نظر میں اتنی ہے کہ اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو ساری کائنات، ان زمانوں کو، میں پیدا نہ کرتا یعنی تو ماحصل ہے میرے تخلیقی نظام کا اور تمام تخلیقی نظام اس غرض سے بنایا گیا کہ بالآخر اسے وہ پھل لگے جس کا نام محمد ہے ﷺ

تو یہ سارا دور جو گزر رہا ہے محمدیت تک کا دور یہ فساد اور خون کے رستوں سے گزرا ہے۔ جب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون احد کی سرزمین میں گرا تو ہر قطرہ اس بات کا گواہ تھا کہ خلیفۃ اللہ اس خون کا ذمہ دار نہیں ہے بلکہ وہ ظالم ذمہ دار ہیں جنہوں نے دنیا کے سب سے معصوم انسان کا خون بہایا ہے۔ پس فساد کو مٹانے کے لئے جب کوشش کی جاتی ہے تو فساد پیدا ہوتا ہے۔ جب خون بہانے کے رجحان کو توڑا جاتا ہے اور اس کا رخ بدلا جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں پھر خون بہایا جاتا ہے اور ان دونوں صورتوں میں ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو محبت کا جواب نفرت سے دیتے ہیں، جو عقل کا جواب جہالت اور ظلم سے دیتے ہیں۔ وہ لوگ ذمہ دار نہیں جو پیار پھیلاتے ہیں، جو امن پھیلاتے ہیں، جو دنیا سے محبت کی باتیں کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انسان انسان کے قریب آئے۔ پس نفرت کی تعلیم دینے والے اپنا ردعمل ہمیشہ نفرت ہی میں دکھائیں گے۔ ہاں ایک حصہ ان میں سے

ایسا ہے جو محبت سے مغلوب ہوتا ہے اور ان کی زمین تھوڑی سی کٹ کر محبت کی زمین میں شامل ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری و ساری ہے، کچھ قدم اور چل کر پھر ماحول بدلتے ہیں، پھر ایک تنگی کا سامان پیدا ہوتا ہے، پھر اس تنگی سے ایک یُسر یعنی آسانی کی حالت پھوٹتی ہے۔

تو ہم نے جو سفر کرنا ہے یہ بہت لمبا سفر ہے۔ ساری دنیا کو تبدیل کرنا ہے، سب نفرتوں کو مٹا کر ان کی جگہ محبتیں پیدا کرنی ہیں اور ہر بے امنی کو ہٹا کر اس کی بجائے امن قائم کرنا ہے۔ یہ کوئی آسان سفر نہیں ہے ہمیں اس راہ میں قربانیاں دینا پڑیں گی۔ جب امن پھیلانے کی کوشش کریں گے تو لوگ ہمارے لئے بدامنی پیدا کریں گے۔ جب ہم یہ کوشش کریں گے کہ انسان دوسرے انسان کا خون بہانا بند کر دے تو لوگ کہیں گے اچھا! ہم تمہارا خون بہاتے ہیں پھر! کیونکہ خون بہانے کی عادت تو بڑی گندی ہے یہ تو پیچھا نہیں چھوڑتی۔ تو کسی نہ کسی کو تو قربانی کا بکرا بنایا ہی جاتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ لوگ جو خوشی سے اپنی جانیں قربانی کے لئے پیش کرتے ہیں نہ کہ جان لینے کی خاطر بلکہ جانیں بچانے کی خاطر اپنی جانیں دیتے ہیں وہ لوگ ہیں جو خلیفۃ اللہ کے متبعین ہیں اور ان کا مقدر یہی ہے، یہ تو جاری و ساری ہے کوئی دانشور جتنی چاہے تنقید کر لے اس تقدیر الٰہی کو بدل نہیں سکتا جو خدا کے بندے ہیں وہ خدا کے بتائے ہوئے رستوں پر ضرور چلیں گے خواہ اس راہ میں کتنی ہی قربانیاں پیش کرنی پڑیں۔ لیکن دعا ضروری ہے۔ قرآن کریم نے جہاں حسد کا مضمون بیان فرمایا وہاں دعا سکھائی۔ فرمایا ایسے موقعوں پر تم دعاؤں کے ذریعے اس شر سے بچ سکتے ہو اور دعاؤں ہی کے ذریعے ان مخفی پلنے والے شروں کے شر سے بچ سکتے ہو جو تمہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ کسی دل میں حسد پیدا ہوا اس کے نتیجے میں شر پیدا ہوئے، ان شروں کے نتیجے میں آگ بھڑکائی جا رہی ہے۔ تم بیچاروں کو کیا پتا جو امن کے بندے ہو۔ جو محبت کے پیغمبر ہو تمہیں کیا پتا کہ نفرت کے پیغمبر تمہارے لئے کیا کیا سوچ رہے ہیں۔ اس لئے اللہ عٰلِمِ الْغَيْبِ (المومنون: ۹۳) ہے اس کی پناہ میں آؤ جس وقت تم اس کی پناہ میں آؤ گے اور یہ دعا کرو گے مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق: ۶) اے خدا جب بھی جہاں بھی کوئی حاسد حسد کے نتیجے میں شر پھیلانے کی کوشش کرے اُس حسد سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر ان دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور اپنے کمزور اور بے طاقت بندوں کی حفاظت کا انتظام فرماتا ہے۔

اب میں ان آیات کریمہ کا ترجمہ کرتا ہوں جو میں نے تلاوت کی تھیں اور ان میں رمضان المبارک کے بہت ہی گہرے اور بہت پر لطف مضامین بیان ہوئے ہیں۔ پہلے تو یہ فرمایا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ کہ اے ایمان لانے والو یعنی وہ جو محمد مصطفی ﷺ پر ایمان لائے ہو تم پر اسی طرح روزے فرض کر دیئے گئے ہیں کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ یعنی روزے کا مضمون ایک عالمی دینی مضمون ہے۔ ان مضامین سے تعلق رکھتا ہے جنہیں ہم ”کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ“ (البینۃ:۴) کہہ سکتے ہیں یعنی ایک ایسا مضمون ہے جس کا ہر مذہب سے تعلق ہے اور امرِ واقعہ یہ ہے جہاں تک میں نے نظر ڈال کر دیکھا ہے دنیا کے تمام مذاہب میں روزوں کا تصور ہے خواہ روزوں کی تعریف بدل جائے۔ کوئی چھوٹا روزہ، کوئی بڑا روزہ، کوئی آدھا روزہ کوئی مکمل روزہ لیکن روزہ ضرور پایا جاتا ہے کسی نہ کسی شکل میں۔ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ یہ اس لئے ضروری ہے تا کہ تم دنیا کے فسادوں اور نفس کے فسادوں سے بچ سکو۔ یہاں تَتَّقُوۡنَ سے مراد تقویٰ کا آخری مضمون بھی لیا جا سکتا ہے لیکن ابتدائی زیادہ قرین قیاس ہے۔ روزہ اس لئے تمہیں دیا جاتا ہے تا کہ تم ہر شر سے بچو۔ کسی شر میں ڈالنے کے لئے روزہ نہیں رکھوایا جا رہا بلکہ مصیبتوں تکلیفوں اپنے اور غیر کے عائد کردہ ابتلاؤں اور عذابوں سے بچنے کے لئے یہ ایک ذریعہ ہے۔ فرمایا اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ کہ لمبا عرصہ نہیں تھوڑے سے دن ہیں۔ ایک مہینہ ہے دیکھتے دیکھتے کٹ جائے گا۔ فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ ایسے شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ روزے جو چھوٹ گئے ہیں بعد میں کسی دنوں میں رکھ لے۔ وَعَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ فِدۡیَۃٌ طَعَامُ مِسۡکِیۡنٍ ؕ اور وہ لوگ جن کے متعلق فرمایا یُطِیۡقُوۡنَہٗ اس کے دو ترجمے ہیں، یُطِیۡقُوۡنَہٗ کا جو باب ہے وہ اجازت دیتا ہے کہ اس کا مثبت ترجمہ بھی کیا جائے اور منفی ترجمہ بھی کیا جائے۔ یُطِیۡقُوۡنَہٗ کا ایک مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اس کی طاقت رکھتے ہیں اور ایک مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اس کی طاقت نہیں رکھتے، تو بیک وقت ایک ہی لفظ دو مختلف اور متضاد معنوں میں استعمال ہو رہا ہو تو وہ مضمون کے اوپر کیا اثر کرے گا۔ یہ دیکھنے والی بات ہے اور کس طرح دونوں

مضامین کا حق ادا کر دے گا۔ یہ قرآنی فصاحت و بلاغت کی ایک مثال ہے۔ آپ دیکھیں کہ کس عمدگی کے ساتھ ایک لفظ مثبت معنے بھی پورے کر دیتا ہے اور منفی معنے بھی پورے کر دیتا ہے۔ پہلے مضمون کے تعلق میں اگر ہم یہ ترجمہ کریں فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ تو ترجمہ یہ بنے گا کہ وہ لوگ جو سفر یا مرض کی بنا پر روزہ نہیں رکھ سکتے، روزہ تو وہ بعد میں ضرور رکھیں گے مگر جو خلا محسوس ہوگا نیکی کا، ایک نیکی کی توفیق کے دن آئے اور توفیق پا نہیں سکے۔ اس کا کیا علاج ہے فرمایا ہاں اگر ان میں طاقت ہو، مالی حیثیت ہو تو اپنی دل کی اور روحانی تسکین کی خاطر وہ غریبوں کو اتنا دے دیں یا اتنا کھلا دیں جتنا ایک دن کی ایک انسان کی غذا ہوتی ہے اور اپنی طاقت اور اپنی استطاعت کے مطابق ایسا کریں۔

اس میں يُطِيۡقُوۡنَهٗ مثبت معنوں میں پھر دوہرے معنے رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غریب کو طاقت کم ہے اگر غریبانہ کھانا پیش کر دے اور اگر امیر کو طاقت زیادہ ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق کھانا دے۔ اس لحاظ سے وہ فدیہ جو مقرر کر دیا جاتا ہے ایک غیر حقیقی سی بات بن جاتی ہے۔ ایک اندازہ پیش کرنا تو جماعت کا حق ہے۔ یہ اندازہ پیش کر دے کہ ہمارے نزدیک اس ملک میں اوسطاً اتنے پاؤنڈ یا اتنے روپے پر ایک انسان کا گزارہ ہے اس لئے وہ ایک دن میں اپنے کھانے پر اتنا خرچ کرتا ہوگا لیکن قرآن کریم کا جو مضمون ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے اور اپنی طاقت کے مطابق اپنے غریب بھائی کو کھانا کھلائے اور یہ طاقت اس کے درجات پر بھی حاوی ہے۔ کم درجے کی طاقت والا کم معیار کا کھانا پیش کرے، زیادہ درجے کی طاقت والا زیادہ معیار کا کھانا پیش کرے جو اچھا کھاتا ہے وہ ویسا ہی پیش کرے جو غریبانہ کھاتا ہے وہ ویسا ہی پیش کرے۔ تو فدیہ کی رقم کا جو اندازہ جماعت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اس سے دھوکا نہ کھائیں کہ بہت امیر آدمی جو عملاً اس مجوزہ رقم سے بہت زیادہ روزانہ اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اتنی رقم پیش کر دی جائے تو کافی ہوگا۔ اپنا حقیقی اندازہ کریں جو اخراجات ان کے کھانے پر اٹھتے ہیں اس کی اوسط نکالیں اور پھر وہ پیش کریں اور احتیاطاً کچھ زیادہ کر دیں تو بہتر ہے۔

دوسرا فرمایا وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ کہ وہ لوگ

جو اس کی طاقت نہیں رکھتے ۔ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ یہاں طاقت نہیں رکھتے کا مفہوم اَيَّامٍ اُخَرَ سے متعلق ہو جائے گا۔ مراد یہ ہوگی کہ ہم جو کہتے ہیں کہ جو مریض ہو یا سفر پر ہو وہ بعد میں روزے رکھ لے لیکن اگر کسی شخص میں بعد میں روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو۔ یعنی مرض لمبی ہو گئی اور دائمی بن گئی یا کوئی اور ایسی باتیں رستے میں حائل ہو گئیں۔ جن کے نتیجے میں بعد میں روزہ رکھنے کی توفیق نہ مل سکے تو فرمایا پھر ان کے لئے پھر یہ طریقہ ہے کہ وہ فدیہ دے دیا کریں۔ تو دیکھیں ایک ہی لفظ نے منفی اور مثبت معنے بیک وقت ادا کئے اور مضمون کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو گئے۔ پھر فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ اس نے، یہ مضمون جو میں بیان کر رہا ہوں، اس کو مزید طاقت دی ہے۔ فرمایا فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ جو شخص طاقت رکھتا ہو اور خرچ کرے اور جو شخص بعد میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس لئے خرچ کرے ان دونوں مضامین کے بیک وقت بیان ہونے سے انسان کا مزاج اس طرف جا سکتا ہے کہ میں چونکہ بعد میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں اس لئے میرے لئے ضروری نہیں ہے کہ میں کسی غریب کو کھانا کھلاؤں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ضروری نہ بھی ہو۔ تو یہ بات سوچ لو فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ کہ جب نیکیوں کی بات کی جاتی ہے تو عقل والے ضروری کی بحث میں نہیں پڑا کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ نیکی نیکی ہی ہے اس کا فائدہ ہی پہنچے گا اس لئے وہ ہمیشہ اپنے لئے احتیاطی پہلو اختیار کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ نیکی سے فائدہ ہی ہے۔ نقصان تو کوئی نہیں۔ اس لئے جو بھی خدا کی مراد ہے دونوں صورتوں میں اسے پورا کرنا چاہئے وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ اور پھر فرمایا کہ اگر تم روزہ رکھو تو یہ بہتر ہے یعنی فدیہ دینے کے باوجود پھر بھی روزہ رکھو اور فدیے کو روزہ کا بدل نہ سمجھو کیونکہ روزہ اپنی ذات میں جو فوائد رکھتا ہے فدیہ وہ فوائد نہیں رکھتا۔ اس لئے فدیے کو کسی طرح بھی روزے کا بدل نہ سمجھنا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اس پر مفسرین نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ سارا قرآن کریم تو رمضان کے مہینے میں نازل نہیں ہوا، آغاز ہوا ہے۔ اس کا جواب پہلے بھی میں خطبات میں دے چکا ہوں۔ یعنی مختلف مفسرین پہلے ہی یہ بات پیش کر چکے ہیں خود ہی کہ اس کے

دو طرح سے جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ رمضان کے مہینے میں آغاز ہوا ہے نزول قرآن کا۔ دوسرا یہ ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہوا اور ہوتا رہا تو ہر رمضان پر حضرت جبرائیل حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے اور جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا تھا اس کی دوہرائی کراتے تھے رمضان میں۔ یہاں تک کہ جب قرآن کا نزول مکمل ہو گیا، تو پھر جو رمضان آیا ہے اس میں پورا مکمل قرآن دو دفعہ دوہرایا گیا ہے (بخاری کتاب فضائل القران حدیث نمبر: ۴۶۱۴) تو اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ لفظاً لفظاً بھی پورا ہوا ہے اور معناً بھی کہ رمضان کے مہینے میں قرآن کا آغاز ہوا اور پھر ہر رمضان میں اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہوا تھا سب دوہرایا جاتا رہا ہے۔

دوسرا ایک معنی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ رمضان کے مہینے کا ایسا تقدس ہے اور اتنا عظیم الشان مہینہ ہے کہ گویا قرآن رمضان ہی کے بارے میں اتارا گیا ہے اور جو کچھ قرآن کے مضامین ہیں وہ رمضان پر صادق آجاتے ہیں۔ پس رمضان میں جو نیکیاں انسان اختیار کرتا ہے ان پر غور کر کے آپ دیکھیں کہ تمام انسانی صلاحیتوں سے تعلق رکھنے والی تمام نیکیاں رمضان کے مہینے میں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور ایسا کوئی اور مہینہ انسان پر نہیں آتا جس میں رمضان کی طرح نیکیوں کا اجتماع ہو اور بدیوں سے رکنے پر اتنا زیادہ زور دیا گیا ہو۔ پس یہ مضمون بھی بعینہٖ صادق آتا ہے کہ قرآن رمضان کے متعلق اتارا گیا ہے۔ اگر تم غور کرو گے تو رمضان کے مہینے میں قرآن کریم کے تمام مضامین صادق آتے دیکھو گے۔ پس اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ کا یہ دوسرا معنی اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس مہینے کی عظمت بھی بڑی کھل کر انسانی ذہن پر واضح ہوتی ہے اور دوسرے اپنی ذمہ داریاں بھی انسان پر خوب کھل کر واضح ہو جاتی ہیں۔ یعنی سارے قرآن کے اوپر عمل کرنے کی کوشش ایک مہینے کے اندر اندر ایک غیر معمولی ایکسرسائز، Intense Exercise کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے ایک ایسی جدوجہد اور کوشش ہے جو ساری زندگی کا خلاصہ ہے اور اس ورزش سے گزرنے کے بعد انسان کی صحت ہر پہلو سے، خدا کے فضل کے ساتھ پہلے سے بہت زیادہ ترقی کر جاتی ہے۔

چنانچہ قرآن رمضان میں اتارا گیا اور رمضان کے بارے میں اتارا گیا۔ یہ بات کن معنوں میں ہے۔ قرآن کریم خود اس کی تشریح فرماتا ہے۔ قرآن کیا ہے هُدًى لِّلنَّاسِ یہ

بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی اور ہدایت میں سے ایسی خصوصیت کے ساتھ، ایسی ہدایت کی باتیں جو غیر معمولی شان کے ساتھ کھل کر دنیا کے سامنے ابھرتی ہیں یعنی ایسی ہدایت جو تمام دنیا میں روشنی پیدا کر دیتی ہے، ان کے سارے شک دور کر دیتی ہے، ان کے سارے توہمات کے اندھیرے زائل کر دیتی ہے۔ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی سے مراد وہ ہدایت ہے جو انسان کا دماغ اور اس کا دل روشن کر دے۔ پھر فرمایا وَ الْفُرْقَانِ اور ایسی ہدایت جو فرق کر کے دکھلا دیتی ہے جو خدا کا ہے وہ خدا کا ہوا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ خدا کا بندہ بن کر غیر اللہ سے الگ ہو جاتا ہے اور جو غیر اللہ کا ہے وہ الگ ہو جاتا ہے اور پہچانا جاتا ہے کہ یہ کون ہے۔

پس رمضان کے مہینے میں قرآن کریم اپنی یہ تینوں شانیں دکھاتا ہے۔ عام انسانوں کے لئے درجہ بدرجہ ہدایت بخشتا ہے، ہدایت کے سامان فرماتا ہے اور زیادہ ترقی کرنے والوں کے لئے ہدایت میں سے بیّنات ان کو عطا کرتا ہے اور بیّنات کے نتیجے میں فرقان پیدا ہوتی ہے۔ جب روشنی ہو تو فرق ہوا کرتے ہیں۔ کالے گورے کی تمیز اندھیرے میں تو نہیں ہوا کرتی۔ روشنی ہو تو ہوا کرتی ہے۔ تو فرمایا کہ ایسے لوگوں کو فرقان نصیب ہوتی ہے وہ گویا کہ خود فرقان بن جاتے ہیں قرآن کی برکت سے تو قرآن کی یہ تین صفات ہیں جو رمضان کے مہینے میں خدا کے بندوں میں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں یا قرآن کریم کی یہ تین صفات ہیں جن سے خدا کے بندے رمضان میں بطور خاص استفادہ کرتے ہیں۔

فرمایا فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط اس سے پہلے بھی حکم گزر چکا ہے لیکن وہ حکم عمومی تھا۔ ہم نے پہلوں پر بھی فرض کیا تھا ان کے فائدے کے لئے تھا۔ تم جانتے ہو کہ کوئی تعلیم عالمی تعلیم نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اندر غیر معمولی اہمیت نہ پائی جائے۔ پس خدا نے جب تمام دنیا میں ہر شریعت میں رمضان رکھا روزے رکھے تو اس میں ضرور حکمت کی بات ہے کوئی فائدے کی بات ہے۔ پس بغیر کسی تردّد، بغیر کسی مزید سوال کے تم بھی اس مہینے سے فائدے اٹھاؤ یہ مضمون تھا۔ اب ان فوائد کو کھول دیا گیا اور خوب روشن کر دیا گیا کہ وہ کتنے عظیم الشان، کیا کیا فوائد ہیں۔ اب جو تکرار ہے یہ پہلے حکم کے مقابل پر زیادہ قوت رکھتی ہے اور انسان پر حجت تمام کرتی ہے۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد پھر جب حکم آتا ہے کہ اچھا! روزے رکھو تو کسی انسان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑتا۔ یہ حکم کسی

انسان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑتا کیونکہ روزے کی حکمتیں، اس کے فوائد خوب کھول کر بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط پس جس کو بھی توفیق ملے کہ وہ رمضان کا مہینہ دیکھے اسے چاہئے کہ اس میں روزے رکھے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط پس جو بھی کوئی مریض ہو اور سفر کی حالت میں ہو اسے بعد میں یہ روزے پورے کرنے ہوں گے۔ یہ تکرار کیوں ہے؟ کیا بعینہ وہی مضمون دوبارہ بیان ہو گیا ہے یا فرق ہے۔ اس میں دو باتیں ایسی ہیں جو پہلے سے فرق رکھتی ہیں۔ ایک میں ابھی بعد میں بیان کروں گا ایک یہ ہے کہ اتنے فائدے سننے کے بعد اب نفس یہ بہانے نہیں بنائے گا کہ میں تو مریض ہوں اس لئے یہ چھوڑ دوں، میں مسافر ہوں اس لئے چھوڑ دوں بلکہ یہ بہانے بنائے گا کہ مریض ہوتے ہوئے بھی پھر میں روزہ رکھوں۔ سفر میں ہونے کے باوجود بھی میں روزہ رکھوں اور خدا تعالیٰ نے اس بات کو توڑنے کے لئے اس مضمون کی تکرار فرمائی ہے کہ دیکھو تمہیں اب رمضان کے فوائد تو خوب سمجھ میں آ گئے ہیں اب رمضان کی حرص کے نتیجے میں یہ نہ سمجھنا کہ مریض ہوتے ہوئے بھی روزہ رکھو گے تو یہ ثواب کا موجب ہے یا سفر کی حالت میں بھی روزہ رکھو گے تو ثواب کا موجب ہے۔ اللہ نے رخصت عطا فرمائی اس لئے رخصت سے فائدہ اٹھانا بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے، ایک اظہار ہے تو اصل ثواب اطاعت میں ہے نہ کہ ظاہری مشقت میں۔ ظاہری مشقت ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا مراد ہے تو ہم نے جب تمہیں رمضان کے فائدے بتا دیئے تو تم میں سے بعض خوب جوش دکھائیں گے اور کہیں گے اچھا جی! اب ہم نے نہ سفر میں چھوڑنا ہے نہ مرض میں چھوڑنا ہے۔ جان جائے تو جائے روزہ نہیں چھوڑنا اور ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض سفر سے آنے والوں کا روزہ ایسی حالت میں تڑوایا جبکہ ابھی نصف گھنٹہ صرف سورج ڈوبنے میں باقی تھا۔ ان کو یہ تعلیم دینے کی خاطر کہ اپنے اوپر سختی اختیار کرنے میں کوئی رضا نہیں ہے۔ جہاں خدا چاہے کہ اپنے اوپر سختی اختیار کرو وہاں اپنے اوپر سختی اختیار کرنا نیکی بن جاتا ہے جہاں فرمائے کہ سختی نہ اختیار کرو وہاں سختی نہ اختیار کرنا نیکی بن جاتا ہے۔ نیکی صرف اپنے محبوب کی رضا کا نام ہے۔ اس مضمون کی خاطر اس کو دوہرایا گیا ہے اور ایک اور پہلو سے اس مضمون پر روشنی

ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ معاً بعد یہ بات کھول کر رکھ دی فرمایا یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ تمہیں وہم ہے کہ خدا تعالیٰ کسی پر سختی ڈالے تو اس کو ثواب دیتا ہے۔ اللہ تو اپنے سب بندوں کے لئے آسانی چاہتا ہے اور سختی میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے اگر وہ سختی برداشت کرنے کا ارشاد فرماتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی آسانی وابستہ ہوئی ہوئی ہے اس سختی کو اختیار کئے بغیر وہ آسانی حاصل نہیں ہو سکتی سختی بذات مقصود ہوا نہیں کرتی۔ اس مضمون کو بہت اچھی طرح ذہن نشین کرنا ضروری ہے ورنہ نیکیوں کی صحیح تعریف انسان کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ دیکھو اسی جگہ جہاں فرمایا کہ سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا بعد میں رکھ لیا کرنا اور مرض کی حالت میں روزہ نہ رکھنا بعد میں رکھ لیا کرنا اس کے ساتھ یہ فرما دیا یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ اللہ تم پر سختی نہیں چاہتا نرمی چاہتا ہے۔ اس میں ایک اور بھی ضمناً بات بیان فرما دی اس کو بیان کرنے کے بعد میں دوبارہ پھر اس مضمون کی طرف آتا ہوں۔ وہ یہ فرمایا ہے کہ یہ وہم ہو سکتا ہے کہ کن دنوں میں رکھیں۔ سخت گرمی کے روزے انسان کے چھوٹ گئے ہیں اور اب وہ کیا سخت گرمیوں کا انتظار کرے کہ اتنی گرمیاں آئیں ویسی شدت کے روزے آئیں تو پھر میں رکھوں۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ ان وہموں میں مبتلا نہ ہونا۔ سختی فی ذاتہٖ مقصود نہیں ہے۔ اللہ کہتا ہے عدت پوری کرو جب بھی توفیق ملے عدت پوری کر دو، اگر سردیوں میں ملتی ہے تو سردی میں پوری کر دو کیونکہ نیکی تو رضائے باری تعالیٰ کے کمانے کا نام ہے۔ سختیوں میں سے گزرنے کا نام نیکی نہیں ہے۔

اب جو دوسرا پہلو ہے وہ یہ ہے کہ جب خدا عُسر نہیں چاہتا یُسر چاہتا ہے تو پھر ہمیں عسر میں ڈالا کیوں ہے؟ اس بات کو یاد رکھیں جہاد کا مضمون بھی اس میں داخل ہے۔ ہر قسم کی محنت اور مشقت کا مضمون اس کے اندر آ جاتا ہے جس کی تعلیم خدا تعالیٰ دیتا ہے اور جس کے نتیجے میں انسان کو اپنے اوپر کئی چیزیں حرام کرنی پڑتی ہیں کئی جائز چیزیں چھوڑنی پڑتی ہیں اور کئی قسم کی ایسی تکلیفیں طوعی طور پر اختیار کرنی پڑتی ہیں جن کی مجبوری نہیں ہے۔ خود اپنی عقل کے فیصلے کے مطابق جہاں اسے اختیار ہے کہ چاہے تو سختی اختیار کرے چاہے تو نہ کرے۔ وہ سختی کو اختیار کرتا ہے اللہ کی رضا کی خاطر۔ تو خدا نے پھر کیوں سختی فرض فرما دی؟ جب یسر چاہتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نظام کائنات میں بعض آسانیاں بعض مشکلات کا پھل ہیں۔ ایک زمیندار جب محنت کر کے فصل کاشت کرتا ہے پھر سارا سال اس کی

حفاظت کرتا ہے تو یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر بغیر محنت کے بھی اُسے وہ چیز نصیب ہو سکے تو ضرور محنت کرے۔ بعض دفعہ بعض حالات میں ایک زمیندار کو زیادہ کڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ سخت سردی میں اس کو صبح صبح اٹھنا پڑتا ہے جب کورا جم رہا ہو اس وقت کھیتوں میں پانی دینا پڑتا ہے بعض دفعہ اسی کام کے لئے اس کو بہت کم محنت کرنی پڑتی ہے۔ اچھے موسم میں صبح نکلنے کو ویسے ہی انسان کا دل چاہتا ہے لطف اٹھاتا ہے انسان۔ تو سختی فی ذاتہٖ مراد تو نہیں ہوتی۔ کوئی زمیندار کہے کہ نہیں، چونکہ میں نے زیادہ سختی نہیں کی اس لئے مجھے پھل کم ملے گا۔ جتنی سختی آسانی کے لئے ضروری ہے عقل کا تقاضا ہے۔ اتنی ہی سختی کی جائے اور خدا تعالیٰ اس سے زیادہ سختی انسان پر نہیں ڈالتا۔ ہر سختی کے نتیجے میں ایک آسانی ہے اور وہ ضروری ہے کہ اس سختی سے گزرا جائے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح: ۷) بظاہر اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے۔ ہر عسر کے بعد ایک آسانی ہے، ہر عسر کے بعد ایک آسانی ہے۔ لیکن اگر بنظر غور دیکھیں تو ہر عسر مراد نہیں ہے۔ بعض قومیں سختی کی چکی میں پیسی جاتی ہیں۔ وہ شدائد اور مصائب کا شکار ہو کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اور ان کے لئے کوئی آسانی بعد میں نہیں آتی۔ تو اَلْعُسْرِ سے مراد یہاں وہ عسر ہے جس کی قرآن نے تعلیم دی ہے وہ عسر جو خدا کی رضا کی خاطر اختیار کیا جاتا ہے۔ وہ سختی جو انسان خدا کی خاطر جھیلتا ہے ہر وہ سختی جس کا شریعت سے تعلق ہے اس کے متعلق لازماً یہی قانون ہے اور کوئی اس کو بدل نہیں سکتا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح: ۶-۷) یاد رکھو جتنی پابندیاں تم پر لگائی گئی ہیں، جتنی سختیاں تم پر عائد کی گئی ہیں ان میں سے ایک بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ ہر ایک کا فائدہ ہے، ہر ایک کے نتیجے میں تمہیں آسانیاں نصیب ہوں گی۔ پس یہی وہ مضمون ہے جس کو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ عسر کبھی بھی اپنی ذات میں خدا تعالیٰ کا مقصود نہیں رہا کہ سختی کی خاطر سختی ڈالو بلکہ آسانی پیدا کرنا ہے جہاں آسانی سختی کے راستوں سے گزرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے وہاں تمہیں سختی سے گزارا جائے گا۔ اگر ایک بچے کو سکول بھیجے بغیر وہ تمام تعلیم ودیعت ہو جائے جو سکول جانے کے نتیجے میں آتی ہے تو کسی ماں کو کیا ضرورت ہے کہ وہ صبح صبح اٹھائے، خود مصیبت میں مبتلا ہو، اسے مصیبت میں مبتلا کرے اور روزانہ سکول بھی بھیجے اور اُس کے خرچ بھی برداشت کرے۔ اگر گھر بیٹھے ایک صبح اُسے سب کچھ مل جائے اور علم اور ذہن روشن ہو

جائیں تو کوئی ماں اس مصیبت میں نہیں پڑے گی۔ مقصد تکلیف دینا نہیں بلکہ تکلیف کے بعد جو خوش منظر اُس کے سامنے رہتا ہے جو اعلیٰ فوائد اس کو دکھائی دے رہے ہوتے ہیں ان فوائد کی خاطر ماں بچے کو تکلیف میں ڈالتی ہے اور اگر ایسی تکلیف میں ڈالے جس کا فائدہ کچھ نہ ہو تو وہ جہالت ہے۔

پس اس مضمون کا اس سے بھی تعلق ہے جو میں نے پہلے بیان کیا۔ ہمیں جب خدا تعالیٰ ایک کامیابی کے بعد کچھ تکلیفوں میں پڑنے دیتا ہے اس کے نتیجے میں حسد بھی پیدا ہوتے ہیں اور کئی قسم کی مشکلات اور روکیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ روکیں پیدا کرنا مقصود نہیں تھا۔ ان روکوں کے نتیجے میں خدا کی خاطر تمہیں جو دکھ ملتے ہیں پھر اور تمہارے دل ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ اچھی پاگل دنیا ہے کہ ہم نے ان کے لئے نیکی کی یہ آگے سے نفرتوں سے جواب دے رہے ہیں۔ ہم ان کی بھلائی چاہتے ہیں یہ پاگل ڈنڈے لے کر ہمارے پیچھے پڑ گئے۔ ہم پیار اور محبت کا پیغام دیتے ہیں۔ یہ گالیاں دیتے ہیں تو فرمایا کہ یہ جو عُسر پیدا ہوا ہے۔ اگر تم دعائیں کرو گے تو یہ عسر پھر یسر میں بدلے گا کیونکہ یہ عُسر خدا کی خاطر ہے۔ پس وہ عُسر جو تم خود قبول کرتے ہو اللہ کی رضا کی خاطر وہ بھی ایک عسر ہے جس کے بعد یُسر پیدا ہوگا اور وہ عُسر یعنی تنگی اور مصیبتوں کا زمانہ جو تم پر غیر کی طرف سے ٹھونسا جاتا ہے اور تمہاری اس کوشش کے نتیجے میں تمہیں مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ تم مصیبتیں دور کرنا چاہتے ہو۔ تم لوگوں کے آرام کے سامان کرتے ہو وہ تمہیں دکھ دینے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بھی خدا کا وعدہ ہے کہ اگر تم دعا کے ذریعے مجھ سے مدد لو گے تو میں اس عسر کو بھی آسانی میں تبدیل کر دوں گا۔

فرمایا وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ یہ اس لئے ہے۔ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ہم نے سختی کی خاطر تمہیں روزے دوہرانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ عام مضمون دوبارہ شروع ہو رہا ہے بلکہ عدت جو ہم نے مقرر فرمائی ہے وہ ضرور پوری کرنی ہے۔ اگر ۲۹ روزے فرض ہوئے ہیں تو ۲۹ پورے کر کے دکھانے ہیں تم نے بچنا نہیں۔ اگر ۳۰ پورے ہیں تو پھر ۳۰ پورے کرنے ہوں گے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ تا کہ تم اس ہدایت کے نتیجے میں جو تمہیں اس کے نتیجے میں نصیب ہوگی اللہ تعالیٰ کی تکبیر کرو وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور پھر تم خدا کے شکر گزار بندے بنو۔ شکر گزار انسان تب بنتا ہے جب اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور اس

فائدے کا مزا اٹھاتا ہے۔اس میں ایک یہ وعدہ ہے کہ جب تم روزوں میں سے گزرو گے تم میں سے بعض مشکل محسوس کریں گے، بڑی تنگی محسوس کریں گے کہ کس مصیبت میں پڑ گئے اور بہت سے لوگ ہیں جو جتنا رمضان قریب آتا ہے اتنا ڈر رہے ہوتے ہیں۔آ گئے نا پھر وہی دن۔وہ سختی کے دن، روز صبح اٹھنا، روز صبح کھٹے ڈکار، گرمی ہو تو پیاس، سردی ہو تو بھوک، کن کن مشکلوں میں سے ہم نے گزرنا ہے۔آدھی راتوں کو ہم نے اٹھنا ہے۔وہ دن آرام کے ختم، عیش کی راتیں ختم۔یہ سوچیں لے کر رمضان میں داخل ہو رہے ہوتے ہیں۔لیکن جو خدا کی خاطر برداشت کرتے ہیں وہ شکر ساتھ ساتھ کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ ہر رمضان گزرنے کے بعد ان کا نفس گواہی دیتا ہے وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اس رمضان کا ان کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔بے وجہ کی چربیاں جو چڑھا بیٹھے تھے سستیوں میں۔وہ جھڑ جاتی ہیں اور گناہوں کی میل جو چڑھ گئی تھی اور چمٹی بیٹھی تھی۔وہ اترنے لگتی ہے اور بعض انسان چتکبرے بن کر نکلتے ہیں۔یعنی ایک انسان بہت دیر سے نہایا نہ ہو، تو اس کے اوپر میل اور گند اس طرح چمٹ جاتے ہیں کہ جب وہ نہانے کے بعد تولیہ پھیرتا ہے تو کہیں سے میل اترتی ہے کہیں سے چمٹی رہتی ہے لیکن جتنا بھی بدن صاف نظر آنا شروع ہو جائے شکر ہی پیدا ہوتا ہے۔تو وہ لوگ جو چتکبرے بن کر نکلتے ہیں وہ بھی شکر کر رہے ہوتے ہیں کہ شکر ہے کوئی گند تو ہٹا۔ہم نے اپنی جلد کی اصل صاف صورت تو دیکھ لی۔کس طرح ہم پیدا ہوئے تھے۔یہ حسین فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا تھا۔ہر مولود جو فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کا کچھ نظارہ تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور پھر مزید کی تمنا پیدا ہو جاتی ہے۔کچھ ایسے ہیں کہ جن پر تھوڑے سے داغ لگے ہوتے ہیں اور وہ دھل کر صاف ہو کر نوزائیدہ بچے کی طرح جیسے وہ ابھی ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوا ہو اس طرح رمضان میں سے گزرتے ہیں اور ان کا ردعمل شروع سے شکر کا ہی ہوتا ہے۔رمضان پاس آ رہا ہوتا ہے تب بھی وہ شکر گزار ہو رہے ہوتے ہیں۔یہ جانتے ہیں کہ رمضان اگر فرض نہ ہوتا تو اس کے فائدے دیکھنے کے باوجود ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے ان فائدوں سے محروم رہتے۔جیسا کہ سارا سال گزر گیا۔اور اللہ کی شان ہے ہم جانتے ہیں کہ فائدہ مند ہے۔ہمیں شوق بھی ہے ان فائدوں کا لیکن انسانی کمزوری راہ میں حائل تھی۔اللہ نے فرض کر کے زبردستی ان سے گزار دیا۔تو وہ بھی شکر کر رہے ہوتے ہیں۔پس شکر کا مضمون بتاتا ہے

کہ ہر ایک کو اپنے فوائد دکھائی دینے لگتے ہیں۔

پھر فرمایا وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ نام بیچ میں مضمر ہے سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ جب میرے بندے تجھ سے یہ سوال کریں کہ میں کہاں ہوں؟ تو ان کو بتا دو کہ میں قریب ہوں اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾ جب بھی مجھے کوئی پکارنے والا پکارتا ہے میں اس کی آواز کا جواب دیتا ہوں۔ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ پس ان کو بھی چاہئے۔ایسے لوگوں کو میری بات کا بھی تو جواب دیا کریں۔ یہ تو نہیں کہ یکطرفہ سلسلے محبت کے چلیں۔ ان کو مصیبت پڑے، مشکل میں مبتلا ہوں۔ وہ آواز دیں کہ اے خدا! کر دے یہ کام اور میں فوراً دوڑا دوڑا جاؤں اور یہ کام کردوں۔ جب میں ان کو بچانے کے لئے آوازیں دوں کہ آگ کے گڑھے میں نہ پڑو، فلاں خطرے سے بچو۔ فلاں نقصان سے بچنے کی کوشش کرو۔ تو وہ پیٹھ پھیر کر اپنے نقصانات کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں اور میری آواز کا جواب نہ دیں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ فرماتا ہے میں قریب تو ہوں لیکن اُس شخص کے قریب ہوں جو میرے قریب رہتا ہے۔ جو میری باتوں کا جواب دیتا ہے میری باتوں پر عمل کرتا ہے۔ جو مجھ سے پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اس کے میں قریب نہیں ہوں وہ تو فاصلے خود بڑھا رہا ہے۔ میرے اور اپنے درمیان۔ پس فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ کا مضمون یہ بیان فرما کے پھر فرمایا وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ پس چاہئے کہ وہ لوگ مجھ پہ ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔ یہاں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ایک تو اس کا تعلق براہِ راست رمضان سے بھی ہے وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ یہ سارا مضمون رمضان کا بیان ہو گیا۔ اس کی اصل جزا کیا ہے۔ یہ شکر تک بیان ہوا ہے کہ شکر تو کرتے ہیں لیکن جزا کی تفصیل نہیں بیان ہوئی تھی۔ اب دیکھ لیں اتنی بڑی نیکیاں ہیں اور جزا کی کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی حالانکہ اس سے پہلے جو معمولی سی نیکیوں کا بھی ذکر اور جہاں قرآن کریم میں ملتا ہے وہاں جزا کی بہت تفصیل بیان ہوتی ہے۔ ہدایت اور بینات اور ھدی اور الفرقان کا قرآن کے حوالے سے ذکر ہے۔ ہم نے تفصیلاً یہ معنے کئے اس مہینے سے جب وہ گزرتے ہیں تو انہیں یہ چیزیں نصیب ہوں گی مگر یہ تو خود نیکیاں ہیں جزا تو نہیں۔ ایک معنے میں جزا بھی ہیں لیکن فی ذاتہٖ نیکیاں ہیں جن کی جزا ملنی چاہئے۔ تو جزا کا کوئی ذکر

نہیں نظر آیا۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ خدا جزا ہے رمضان کی اور یہ وہ نیکی ہے جس کے نتیجے میں خود اللہ تعالیٰ جزا بن جایا کرتا ہے فرمایا فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ وہ مجھے اپنے قریب دیکھیں گے۔ پس وہ لوگ جو رمضان میں سے گزر جاتے ہیں اور نیکیاں اختیار کرتے ہیں مگر خدا کو قریب نہیں پاتے ان کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ ان کو اپنے متعلق غم لگا لینا چاہئے ،فکر لگا کے بیٹھ رہنا چاہئے کہ ہم نے کیا کیا۔ سارا مہینہ سختیاں جھیلیں اور یُسر پھر بھی نہ آیا۔ ہم خدا کے قریب ہونے کی کوشش کرتے رہے مگر خدا آج بھی ہم سے دور ہے اور وہ فاصلے پاٹے نہیں گئے۔ پس رمضان کی صداقت کا اعلان ہے اور اس کی پہچان ہے۔ اگر رمضان سچا گزرا ہے تو اس طرح پھر رمضان اپنی جزا دیا کرتا ہے اور اگر رمضان سچا گزرا ہے تو اس کی جزا ضرور خدا ہوگا اور تم خدا کو اپنے پاس دیکھو گے۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا پھر وہ زیادہ اس بات کے اہل ہوں گے کہ خدا کی آواز پر لبیک کہہ سکیں کیونکہ جب ایک دفعہ پھل چکھا دیا جائے تو دوبارہ محنت کرنے کی صلاحیت پہلے سے بڑھ جایا کرتی ہے۔ جو مقصد تھا وہ حاصل ہوا،نظر آیا کہ اب خدا قریب آ گیا ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا کا ایک یہ بھی مطلب ہے۔ جب وہ مجھے قریب دیکھیں گے تو پھر میری باتیں زیادہ غور سے سنیں گے۔

پس یہ ایسا مضمون ہے جو دونوں طرح عمل دکھلا رہا ہے۔ بہت ہی خوبصورت مضمون ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا ایک شرط ہے کہ میں قریب ہوں گا۔ میں دعا کا جواب دوں گا شرط یہ ہے کہ تم بھی تو میری باتوں کا جواب دیا کرو اور ایک مضمون یہ ہے کہ جب میں قریب آ جاؤں گا۔ رمضان کی محنتوں کے نتیجے میں فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ اب تو ان پر فرض ہو جائے گا کہ ضرور میری باتوں کو دھیان سے سنیں اور ان کا مثبت جواب دیا کریں۔ پہلے اگر غفلتیں ہوتی تھیں تو اب اس غفلت کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ اور مجھ پر ایمان لائیں۔ اب بظاہر ایمان پہلے ہوتا ہے یہ پھر کس ایمان کا ذکر ہے۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی ایمان کے بعد پھر ایمان کا ذکر ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (المائدہ:۹۴) جب وہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا۔ پھر وہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور پھر ایمان لاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور ایمان میں بھی فرق ہے۔ ایک ایمان ہے دور کے خدا پر۔ اس خدا پر ایمان نہ ہو تو کوئی پاگل تو نہیں جو

روزے رکھے۔ روزے رکھتا ہی تب ہے جب دور سے ایک مجمل سے خدا پر ایمان ہے۔ جب روزے رکھتا ہے تو وہ خدا قریب آجاتا ہے اور قریب سے دیکھنے پر جو ایمان پیدا ہوتا ہے، اس کا مزا ہی اور ہے، اس کی لذت ہی اور ہے۔ اس کے نتیجے میں استجابت بھی پیدا ہوتی ہے اور استجابت کے نتیجے میں پھر ایمان بڑھتا ہے۔ پس یہ وہ رمضان کا مضمون ہے جو قرآن کریم میں ان چند آیات میں بیان فرما دیا اور سارا مہینہ ہمیں ان مضامین میں سے گزارتا ہے۔ اس کے باقی حصے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبے میں بیان کروں گا۔ (السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ)